اسد کی بیٹی اسد اللہ کی ماں

مولانا عینی شاہ صاحب نظامی حنفی (حیدرآباد دکن)

ساری دنیا جانتی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے باپ ابوطالبؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باپ نہیں، چچا تھے، مگر ایسے چچا جو لاکھوں میں نظر نہیں آتے اور ہزاروں میں نہیں ملتے۔ ایسا چچا تو نہ ہوا ہے، نہ ہوگا۔ چچا نہیں باپ تھے۔ باپ بھی ہوتے، تو ان جیسے ہوتے، ان سے بڑھ کر نہ ہوتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ان کا مذہب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت ان کا مشرب تھا۔ ہر وقت یہی کام اور ہر لحظہ یہی مشغلۂ اُلفت محمدؐ میں سرشار، آپ کی یاد میں بے قرار یعنی آپ کے سچے پرستار تھے۔ ان کا سینہ عشق محمدؐ سے موجزن، ان کا دل تصور محمدؐ سے معمور اور ان کی آنکھیں تصویر محمد کا البم تھیں۔ ابوطالب کے دین وایمان محمدؐ تھے، ابوطالبؑ کے روح رواں محمدؐ تھے۔ ابوطالبؑ کی دنیا محمدؐ تھے۔ ابوطالبؑ کا مذہب وملت محمدؐ تھے۔ ابوطالب کا مقصودِ حیات محمدؐ تھے اور ابوطالب کا کل سرمایہ محمدؐ تھے۔ ابوطالبؑ کے پاس دھن تھی نہ دولت، جاگیر تھی نہ منصب۔ دولت تھی تو محمدؐ تھے، جاگیر تھی تو محمدؐ تھے۔ ابوطالبؑ کے تن من میں عشق محمدیؐ لہریں مار رہا تھا بلکہ ابوطالبؑ کی روح عشق محمدیؐ میں بسی ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ کے بغیر قرار تھا، نہ سکون، چین تھا، نہ آرام بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر زندگی دوبھر اور وبال تھی۔ دن میں سو بار آپ کو دریافت کر لیتے اور شب میں سو مرتبہ آپ کو دیکھ لیتے تو کہیں دل بے قرار کو سکون ہوتا تھا۔

یہ بار امانت ابوطالبؑ ہی کے شان شایاں تھا اور یہ کفالت ابوطالبؑ ہی کے قابل تھی۔ محبوب خدا کا عشق ابوطالبؑ ہی کا حوصلہ تھا۔ افضل انبیاء کی محبت ابوطالبؑ ہی کا حصہ تھی۔ یہ دل وگردہ ابوطالب ہی کا تھا کہ اس عظیم بار کو اٹھایا اور یہ ہمت ابوطالب ہی کی تھی کہ خدا کی اس امانت کا خود کو اہل ثابت کیا۔ سوال یہ ہے کہ ابوطالب کو محبت کرنا سکھایا کس نے؟ میں تو یہی کہوں گا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔ آنحضرتؐ کی بھولی بھالی اور پیاری صورت نے، آنحضرتؐ کی پاک صاف اور عالی فطرت نے، آنحضرتؐ کی فطری جاذبیت نے اور آنحضرتؐ کی یتیمی وبیکسی نے ابوطالبؑ کو موہ لیا۔ ابوطالبؑ آپ کے دیوانے ہو گئے انھیں نہ گھر کی خبر رہی، نہ باہر کی۔ نہ تن کا ہوش رہا، نہ من کا۔ نہ اپنی پرواہ رہی، نہ اہل وعیال کی۔ نہ قریش کی فکر تھی، نہ بنی ہاشم کی۔ خبر تھی تو محمدؐ کی۔ پرواہ تھی تو محمدؐ کی۔ ہوش تھا تو محمدؐ کا اور فکر تھی تو محمدؐ کی۔ آٹھ پہر محمدؐ کو دیکھتے دیکھتے گذارے اور راتیں محمدؐ کو دیکھتے دیکھتے بسر کیں۔ دن میں ذکر محمدؐ اور رات میں

فکر محمدؐ۔ فرماتے بھی تو ہیں:

لعمری لقد کلّفتُ وجدًا باحمدٍؐ
واحببته حُبّ الحب المواصل

(میری جان کی قسم، مجھے محمدؐ سے اندھی محبت ہے اور میں محمدؐ کی محبت میں دیوانہ ہوں۔ خوشا بخت وزہے نصیب)

اسی عشق ومحبت میں بال سفید کر لئے اور اسی خدمت میں عمر کے اسّی برس گذار دیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنبھال سنبھال میں جوانی صرف کی اور آنحضرتؐ کی حمایت ونصرت میں بوڑھے ہو چکے۔ جس کام کے لئے آئے، اس کو پورا کیا۔ جس خدمت کے لئے پیدا ہوئے، اس کا حق ادا کیا۔ پیدا ہوئے تھے محمدؐ کے لئے۔ محمدؐ کے بنے رہے اور محمدؐ ہی کے ہو کر مرے۔ خدمت کرتے عمر تمام کی اور مرتے دم تک خدمت کی حسرت ساتھ لے گئے۔ آخری سانسیں چل رہی ہیں، مگر فکر محمدؐ ہے۔ وصیت کر رہے ہیں مگر محمدؐ کی۔ دم توڑ رہے ہیں مگر نام محمدؐ زبان پر۔ آنکھیں پتھرائی ہیں مگر ڈھونڈتی محمدؐ کو ہیں۔ یہ تھے حضرت ابوطالبؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانثار چچا۔

رہیں حضرت علیؑ کی ماں فاطمہؑ بنت اسد۔ یہ تھیں عبدالمطلب کے بھائی اسد کی بیٹی۔ ہاشم کی پوتی۔ رشتہ میں آنحضرتؐ کی پھوپھی۔ ناتے میں چچی اور بارشاد مبارک ماں کے بعد ماں۔ حضورؐ نے ماں کی گود دیکھی نہ تھی، تو قدرت نے یہ ماں دی۔ ابوطالبؑ آپ کی دیکھ بھال کے لئے بہت تھے، پھر بھی اس دُرِ یتیم کو ماں کی محبت چاہئے تھی اور قدرت نے وہ بھی بخشی۔ فاطمہؑ بنت اسد ماں کے عوض ماں ہی تھیں۔

آنحضرتؐ نے اس بی بی میں وہی تن دہی دیکھی جو ماں میں ہوسکتی تھی۔ وہ دل سوزی جو ماں کے شایان شان تھی اور وہی دلدہی محسوس کی جو صرف ماں سے ممکن تھی۔ اس بی بی کو آنحضرتؐ سے اتنی اُلفت تھی کہ اپنی اولاد کو آپؐ کے مقابلہ میں بیگانی سمجھیں۔ بچوں کو دور کرتیں اور آپؐ کو نزدیک کھینچتی تھیں۔ آپؐ کے کھائے پیئے بغیر نہ طالب کو دیا، نہ عقیل کو۔ آپؐ کے پہنے بغیر نہ طالب کو نیا پہنایا، نہ عقیل کو۔ آپؐ کو سلائے بغیر نہ اُس کو سلایا، نہ اِس کو۔ آپؐ کی پاسبانی کرتے آنکھوں کو شمع بنایا اور ایک دو سال نہیں ۱۷ سال جاگتے ہوئے راتیں بسر کیں۔ یہی وہ یتیم پروریاں تھیں جس کی ''الم یجدک یتیماً فاٰوی'' کے خدائی لفظوں سے آج بھی امت کو یاد آ رہی ہے، بلکہ یاد دلائی جا رہی ہے۔ یہی وہ دلسوزیاں تھیں جن کی بنا پر ''ان بغض ابی طالب کفرٌ'' کا فتویٰ دشمنان ابوطالبؑ کے حق میں صادر ہوا ہے اور یہی وہ جانثاریاں تھیں جن کی وجہ سے حضرت ابوطالبؑ وفاطمہؑ بنت اسد کے نام سیرت نبوی میں ابھرے ہوئے حرفوں میں نظر آ رہے ہیں۔

ان بزرگ ہستیوں کے لئے آخرت کے نعیم تو رہے جداگانہ، مگر دنیا میں بھی ان کو یہ صلہ ملا کہ ان کا چمن سدا ہرا بھرا رہا۔ علیؑ اور اولاد علیؑ سے تا ابد سرسبز وشاداب رہا اور ان کے مراتب بھی سوا رہے۔ فاطمہؑ کے ایک لخت جگر جعفرؓ طیار کہلائے اور دوسرے امام المشارق والمغارب علی ابن ابی طالبؑ ہوئے۔ حضرت علیؑ کی ولادت کو خدا نے اپنا مکان دیا اور خانۂ خدا آپ کا زچہ خانہ بنا۔ چنانچہ عام الفیل کے

۳۰/سال پر ۱۳/رجب جمعہ کے دن سویرے سویرے فاطمہ بنت اسد طواف کررہی تھیں کہ شدت سے درد زہ ہونے لگا۔ عورت ذات تھیں پریشان ہوگئیں کہ کہاں سر چھپائیں، دیکھتی کیا ہیں کہ دیوارشق ہوئی، آپ اس کے اندر داخل ہوگئیں۔ زچگی ہوئی بھی اور چاند جیسا فرزند تولد ہوا بھی، مگر آنکھیں بند ہی کی بند اور ہوُں نہ ہاں، کچھ نہیں۔ حیران ہوئیں، بچہ کو لے کر کعبہ سے نکلیں۔ آنحضرتؐ نے بڑھ کر بچہ کولیا، سینہ سے لگایا، پیار پر پیار کیا اور اپنی زبان منہ میں دی۔ بچہ دودھ کی طرح غٹ غٹ پینے لگا اور بوئے محمدیؐ سے جب اس کا مشام معطر ہوا، تو آنکھیں کھول دیں اور سب سے پہلے جمال محمدؐ کو تکنے لگا۔ آنحضرتؐ نے اس بچہ کا نام علیؑ رکھا۔ ہے تو بس اتنا ذرا سا واقعہ، مگر بڑا ہی عجیب انوکھا اور معنی خیز۔ آخر مظہر عجائب وغرائب کی ولادت کا واقعہ ہے، کوئی مانے یا نہ مانے۔ ہمارے بیسیوں محدثین ثقات نے اس کی روایت کی ہے۔ چنانچہ امام ابوعبداللہ الحاکم مستدرک میں اور حافظ الحدیث ذہبی توثیق روایت کے بعد تلخیص میں لکھتے ہیں:

وقدتواترت الاخبار ان فاطمة بنت اسد ولدت امیر المومنین علی ابن ابی طالب فی جوف الکعبة۔

علامہ ابن صباغ مالکی فصول مہمہ میں رقم طراز ہیں:

ولم یولد قبلہ احد فی بیت الحرم۔

اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفا میں راقم ہیں:

قد تواترت الاخبار ان فاطمة بنت اسد ولدت امیر المومنین علیًا فی جوف الکعبة فانه ولد فی یوم الجمعة والثالث عشر من شهر رجب بعد عام الفیل بثلاثین سنةٍ ولم یولد فیها احذسواه قبله ولا بعده۔

اور کتنی شہادتیں ہوئی ہیں۔

اگر درخانہ کسے است یک حرف بسے است۔

خلاصہ بس اتنا ہے جناب امیرؑ کا جوف کعبہ میں تولد ہونا بالتواتر مروی وثابت ہے اور آج تک کوئی اور کعبہ میں پیدا نہ ہوا۔ نہ آپؑ سے پہلے، اور نہ آپؑ کے بعد۔

چار دن کے بچے کا ماں کی گود سے آنحضرتؐ کے پاس ہمک کے چلے آنا، آغوش محمدؐ میں آنکھیں کھولنا، پیہم آپؐ کو دیکھتے رہنا اور آپ کی زبان چوسنا فطرتاً آپؐ سے مانوس رہنے اور مستقبل میں آپ کے ہی ہو رہنے کی علامت تھی۔ اور مرور ایام نے دکھا بھی دیا کہ علیؑ کا قیام وطعام، نماز وروزہ، رہنا سہنا سب کچھ آنحضرتؐ سے وابستہ رہا اور حضرت علیؑ کلیتہً آنحضرتؐ کے ہوگئے۔ اس پر بھی ماں باپ اپنے نور نظر کو یہ تاکید کرتے رہے **الزم ابن عمک**۔ اسی نہج پر پورے بارہ سال نکل جاتے ہیں۔ خاتم الانبیاءؐ کی نبوت ورسالت کا اعلان ہوتا ہے۔ حضرت ام المومنین خدیجہؓ کے بعد ہی نبیؐ کے بھائی علیؑ تصدیق میں سابق رہتے ہیں اور بارگاہ نبوت سے **انت الصدیق الاکبر** کے خطاب سے مخاطب اور **انت اول المومنین ایمانا** کے شرف سے مشرف اور **اول من صلّی معی علی**علیہ السلام کے امتیاز سے ممتاز ہوتے ہیں تو ماں باپ کی مسرت کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ چار سال بعد آیت **وانذر عشیرتک الاقربین** کا نزول ہوتا ہے۔ قوم آنحضرتؐ سے کنارہ کش ہوتی ہے۔

قریش دامن کترا کر چلنے لگتے ہیں اور یگانے بیگانے ہو چکتے ہیں، تو ان میں صرف حضرت علیؑ تا زیست وابستۂ بارگاہ رہنے کا اقرار کرتے ہیں اور پیش گاہ عرش پائگاہ سے هذا اخیی ووصیی وخلیفتی ووزیری فیکم فاسمعوا له واطیعوه کے چہارگانہ مناصب سے بہ یک وقت سرفراز ہوتے ہیں۔

ابتدائی تبلیغ کی دشوار منزلیں طے ہو رہی ہیں، اوائل رسالت کی سختیاں جھیلی جا رہی ہیں، قریش کے ظلم وستم صبر واستقلال کے ساتھ برداشت کئے جا رہے ہیں۔ بائیکاٹ کیا جاتا ہے۔ یگانے بیگانے ہو جاتے ہیں مگر علیؑ نبیؐ کا دامن نہیں چھوڑتے۔ شعب ابی طالب کا محاصرہ ہوتا ہے، علیؑ نبیؐ کے ساتھ محصور رہتے ہیں۔ کھانا پانی بند کیا جاتا ہے، علیؑ نبیؐ کے ساتھ فاقے کرتے ہیں۔ ابوطالب دنیا سے گذر جاتے ہیں مگر علیؑ نبیؐ ساتھ ساتھ ہیں۔ حضرت خدیجہؑ دنیا سے سدھارتی ہیں اور آنحضرتؐ تنہا ہیں مگر علیؑ رفیق ومونس ہیں۔ ہجرت کا حکم ہوتا ہے۔ علیؑ لباس نبیؐ میں بستر نبیؐ پر شبیہ نبیؐ بن کر تیروں اور سنگباریوں میں رات بسر کرتے ہیں اور اُدھر حضرت ابوبکر اپنی جان جوکھم میں ڈال کر آنحضرتؐ کے ہمراہ دشمنوں کے نرغہ سے بچتے بچاتے غار ثور پہنچتے ہیں علیؑ کو ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله کا تمغہ ملتا ہے تو ابوبکر کو ثانی اثنین اذهما فی الغار کا امتیازی نشان عطا ہوتا ہے۔

نبیؐ کے ساتھی مکہ سے مدینہ پہنچ چکے ہیں۔ دیس سے نکل کر پردیس آ بسے ہیں۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خدا اور رسولؐ کے لئے ہجرت کر چکے ہیں۔ نئے دیس میں نئی زندگی کرنے کوسوں چلتے چلاتے آئے ہیں، مگر تیوریوں پر ذرا بل نہیں۔ فاقے کر رہے ہیں، مگر مست ہیں۔ کڑیاں جھیل رہے ہیں، مگر ہشاش بشاش ہیں۔ ڈال ڈال پات پات سر چھپا رہے ہیں، مگر شاکر ہیں۔ اس پر بھی مکہ نے انھیں نہ چھوڑا، چین لینے نہ دیا اور چڑھائی کر دی۔ ستانے نہ پائے تھے کہ بدر کی لڑائی ہونے لگی۔ میدان لاشوں سے پٹا پڑا ہے۔ عرب کی ریت انسانی خون سے رنگین ہو چکی ہے۔ هل من مبارز کی فلک دوز صدائیں بلند ہیں، مگر فاطمہؑ بنت اسد اپنے اٹھارہ سالہ جوان کو ڈھونڈ رہی ہیں۔ بیٹے کی پہلی لڑائی دیکھنے نکلی ہیں۔ انا الذی سمتنی اُمّیْ حیدرہ کی آواز سن کر لپک پڑتی ہیں۔ علیؑ کی بہادری اور تیغ زنی دیکھ رہی ہیں کہ ایک ایک وار میں مکہ کا ایک ایک سورما دو نیم ہو رہا ہے۔ ولید وحنظلہ کی لاشیں پھڑک رہی ہیں۔ عتبہ وشیبہ کے کفر بھرے سر ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ عامر وعاص کے مردہ جسد علیؑ کے قدموں کو چوم رہے ہیں۔ ماں پکار کر کہتی ہے علیک بابی سفیان یافتی۔ غرض یہ کہ فتح ونصرت نبیؐ کے قدم چومتی ہے۔ مسلمان فاتح ومنصور رہتے ہیں اور کفار روبفرار ہوتے ہیں اور قافلہ نبوی مال غنیمت لئے مدینہ لوٹ آتا ہے۔

مدینہ واپس آکر اب فاطمہؑ بنت اسد کو یہ فکر دامن گیر رہی کہ حضرت علیؑ کا گھر دار ہو۔ نظر انتخاب سیدۃ نساء العالمین فاطمۂ زہراؑ پر تھی، مگر آنحضرتؐ کا ادب مانع تھا۔ خدا سے لو لگائے ہیں کہ فاطمہ زہراؑ علیؑ ابن ابی طالبؑ کی دولہن بنیں۔ دعا قبول ہوتی ہے۔ وحی خداوندی سے عقد ہو جاتا

ہے۔ بڑے ارمانوں سے ساس اپنی عرش منزلت بہو کو گھر لاتی ہیں۔ گھر ذاتی نہ تھا، حارثہؓ بن نعمان کے مکان پر ٹھہرے رہے۔ آنحضرتؐ کے جب مکان بنے تو حضرت عائشہ کے مکان سے متصل فاطمہؑ زہرا کے لئے مکان بنا دیا گیا۔ فاطمہؑ زہرا اسی میں رہیں بسیں، اسی میں جنی پالیں، اسی میں بال بچوں والی ہوئیں، اسی میں فراق پدر سے بیمار پڑیں اور اسی میں جنت سدھاریں اور اسی میں مدفون ہوئیں(۱)۔ یہ مکان زمانۂ دراز تک بنی فاطمہ کے قبضہ میں رہا مگر ۹۶ھ میں ولید بن عبدالملک نے حضرت حسن بن امام حسنؑ اور ان کی زوجہ فاطمہ بنت امام حسینؑ کو عین نماز جمعہ کے دوران میں اس گھر سے دن دہاڑے نکلوایا اور بیت فاطمہ کو توڑ کر شامل مسجد نبوی کر دیا۔

۳ھ میں جنگ احد چھڑی۔ ماں نے دوبارہ اپنے فرزند کی غیر معمولی جیداریاں دیکھیں اور آنحضرتؐ کی حفاظت میں علیؑ نے جو محیر العقول جاں نثاریاں کیں انھیں بھی برائ العین دیکھا۔ **علی علیہ السلام منی و انامنہ** کی بشارت زبان نبوی سے اور **لافتی الا علی علیہ السلام لاسیف الاذوالفقار** کی آسمانی صدا بھی سنی۔ کبھی خدا کی بارگاہ میں سربسجود ہوتی تھیں اور کبھی بارگاہ نبوی میں اپنی مجنونیت کا اظہار کرتی تھیں۔ اس بھاگوان اور خوش نصیب بی بی کی عمر پوری ہو چکی تھی، پیری وضعف کے آثار نمایاں ہو چکے تھے۔ اب جیتی بھی ہیں تو آنحضرتؐ کو دیکھ کر، علیؑ و جعفرؓ کو دیکھ کر اور فاطمہؑ زہرا کو دیکھ کر مگر ان کی خوش بختی میں قدرت نے ایک اور اضافہ فرمایا یعنی حضرت علیؑ و جناب فاطمہؑ کے نور نظر حسنؑ مجتبیٰ کو دکھا دیا اور شعبان ۴ھ میں دوسرے پوتے امام حسینؑ کو افضال الٰہی سے اپنے مبارک آغوش میں لوریاں دے کر سلانا نصیب ہوا۔ مگر وسط رمضان ۴ھ کو آخر کار داعیٔ اجل کو لبیک کہتی ہوئی یہ بزرگ خاندان بی بی جنت سدھاریں۔

حضرت انسؓ راوی ہیں فاطمہؑ بنت اسد کی وفات کی خبر آئی تو آنحضرتؐ مضطربانہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا چلو میری ماں کے پاس چلو۔ بیٹی کے گھر آئے۔ موتی کے سرہانے تشریف رکھی اور فرمایا: ''اے میری ماں کے بعد کی ماں! خدا تجھ پر رحمت کرے۔ میں نے صرف تیری محبت دیکھی ہے۔'' پھر ان کی اور سبھی خوبیاں بیان کیں۔ اپنی چادر اتاری اور کفن کو دی۔ حضرات عمرؓ و اسامہؓ بن زید و ابوایوبؓ انصاری کو تیاری قبر کا حکم دیا اور خود بھی شریک ہوئے۔ اپنے دست اقدس سے مٹی نکالی۔ ہاتھ سے قبر بنائی اور قبر میں دیر تک لیٹ رہے اور دعا کی: **اللہ الذی یحیی ویمیت وھو حی لایموت اغفر لامی فاطمۃ بنت الاسد ووسع علیھا مدخلھا بحق نبیّک وانبیاء قبلی فانک ارحم الرّاحمین۔**

حضرت جابرؓ راوی ہیں آنحضرتؐ صحابہ سے گفتگو فرماتے ہوئے مسجد میں رونق افروز تھے کہ فاطمہ بنت اسدؓ کی خبر وفات پہنچی۔ فرمایا اُٹھو اور میری ماں کے پاس چلو۔ آپ کے رنج والم کا یہ عالم تھا کہ صحابہ کچھ بول نہ سکتے تھے، **کاَنّ علیٰ رؤسھم الطیر**۔ بیٹی کے گھر آئے۔ لاش دیکھی تو فرمایا: ''اے میری ماں کے بعد کی ماں! خدا تجھ پر رحمت کرے۔'' پھر اپنی چادر کفن کے لئے دی اور فرمایا: ''میری ماں کو اسی میں کفن دو۔'' جنازہ اُٹھا اور بقیع تک بہ نفس نفیس

کاندھا دیتے چلے۔ چار تکبیروں سے نماز پڑھائی۔ قبر میں اُترے۔ دیر تک لیٹ رہے، پھر کھڑے ہو کر فرمایا **بسم اللہ وعلی اسم اللہ**۔ حضرت عباسؓ بھی قبر میں اترے۔ باہر سے حضرت علیؑ وجعفرؓ وحضرت ابوبکر وعمر نے میت اتاری۔ آنحضرتؐ نے اپنے ہاتھوں پر لے کر میت کو قبر میں سلایا اور جب باہر نکلے تو بے اختیار رو رہے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ دفن کے بعد صحابہ نے عرض کیا کہ چندان دیکھی باتیں آج ہم نے دیکھیں۔ فرمایا یہ میری ماں تھیں۔ میں نے اپنی چادر میں کفنایا تاکہ حلۂ بہشتی انھیں ملے۔ اپنے ہاتھ سے قبر بنائی تاکہ قصر جنت ان کو نصیب ہو اور قبر میں لیٹا رہا تاکہ انھیں قبر کی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

حضرت علیؑ راوی ہیں میری والدہ کی وفات پر آنحضرتؐ بے اختیار آبدیدہ ہوگئے۔ میرے گھر آئے۔ کفن کے لئے اپنی چادرِ رحمت مرحمت کی۔ بقیع میں ان کی قبر اپنے ہاتھوں سے بنائی۔ راستہ بھر جنازہ کو کاندھا دیتے چلے۔ ۹ رتکبیروں سے نماز پڑھائی اور اپنے ہاتھوں سے اُنھیں مٹی دی۔

حضرت سعید بن مسیبؓ اپنے باپ مسیبؓ سے راوی ہیں کہ فاطمہؑ بنت اسد کی موت پر آنحضرتؐ کو بڑا صدمہ پہنچا۔ اپنی چادر میں انھیں کفن دیا۔ ۷۰ رتکبیروں سے نماز جنازہ بڑھائی۔ اپنے ہاتھوں سے قبر کی توسیع فرمائی۔ قبر کی مٹی نکالی۔ قبر میں دیر تک لیٹے رہے۔ جب باہر آئے تو رو رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: ''آج سرکار کو بڑا صدمہ ہوا۔'' فرمایا: ''اے عمرؓ یہ میری ماں تھی۔ ابوطالبؑ کے بعد میں نے ان کی محبت دیکھی۔'' جبرئیلؑ نے خدا کا یہ پیام سنایا ہے کہ فاطمہؑ بن اسد جنتی ہیں اور اس کی قبر پر ستّر ہزار رحمت کے فرشتے درود وسلام بھیجنے پر متعین ہو چکے ہیں۔

حضرت فاطمہؑ بنت اسد کی خوش بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ انھیں آنحضرتؐ کی پرورش کا سترہ برس شرف حاصل رہا۔ جعفرؓ وعلیؑ جیسے سپوت جنے۔ فاطمہؑ زہرا جیسی مقدس بہو ملیں۔ حسنؑ وحسینؑ جیسے پوتے کھلائے۔ نبیؐ کی چادر کفن میں ملی۔ نبیؐ کے ہاتھوں مٹی لی۔ رحمت کے ستّر ہزار فرشتے قبر کے اردگرد متعین ہو چکے، یازدہ امام کی دادی بنیں۔ اولاد علیؑ کی جدّۂ اعلیٰ ہوئیں اور آج بھی سر حسینؑ چھاتی سے لگائے اور امام حسنؑ وعلیؑ ومحمدؑ اور جعفرؑ کو اپنی آغوش میں لئے جنت البقیع میں میٹھی نیند سو رہی ہیں۔ **سلام اللہ علیہا**

(۱) پتہ نہیں کیسے فاضل مضمون نگار نے جناب سیدہؑ کو اپنے ہی مکان میں دفن ہونے کی بات لکھی؟ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آپ نہ ہی اپنے مکان میں اور نہ ہی پہلوئے رسالت مآبؐ میں دفن ہو سکیں بلکہ جنت البقیع میں ابدی آرام گاہ کی جگہ پائی۔ بعد میں قبر مطہر پر قبہ بھی بنا لیکن ۸ رشوال ۱۳۴۴ھ کو یہ قبہ اور جنت البقیع کے دوسرے مزارات ابن سعود کی نجدی حکومت نے منہدم کر دیئے۔ ؎

خاک اب اڑتی ہے کہنے کو ہے بطحا باقی

(ادارہ)